تدبّرِ قرآن

۵۶

الواقعة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورتوں سے تعلق

یہ اس گروپ کی ساتویں سورہ ہے جس پر گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اس میں اس ساری بحث کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے، جو جزا و سزا سے متعلق، سورۂ قٓ سے لے کر سورۂ رحمٰن تک ہوئی ہے۔ پچھلی سورتوں میں اس موضوع کے تمام اطراف، آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے دلائل کی روشنی میں، زیر بحث آئے ہیں، اس سورہ میں دلائل کی وضاحت کے بجائے اصل نتیجہ سے قریش کے متکبرین کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت ایک امر شدنی ہے جس میں ذرا شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ تمہیں لازماً ایک ایسے جہان سے سابقہ پیش آنے والا ہے جس میں عزت و ذلت کے اقدار اور پیمانے ان اقدار اور پیمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے جو اس جہان میں معروف ہیں۔ وہاں عزت و سرفرازی ان کے لیے ہوگی جنھوں نے اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی کمائی کی ہوگی، وہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے پائیں گے۔ جنت کی تمام کامرانیاں انھی کا حصہ ہوں گی۔ رہے وہ جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی کے عشق میں مگن ہیں وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کو دوزخ کے ابدی عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۱۰) قیامت ایک امر شدنی ہے۔ اس کے واقع ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ لوگوں کو ایمان و عمل صالح کی کسوٹی پر پرکھے گی اور کتنوں کو پست اور کتنوں کو بلند کرے گی۔ اس جانچ پرکھ کے نتیجہ میں اس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ اصحاب الیمین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الشمال کا اور تیسرا گروہ سابقون الاوّلون کا۔

(۱۱-۲۶) اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب سابقون اوّلون ہوں گے۔ ان کو قرب الٰہی کی جو سرفرازیاں اور جنت کی جو نعمتیں حاصل ہوں گی ان کی تفصیل اور اس گروہ میں شامل ہونے والوں کے اوصاف کا بیان۔

(۲۷-۴۰) دوسرے درجے میں اصحاب الیمین ہوں گے۔ ان کی جنت کی تفصیل اور اس گروہ میں

شامل ہونے والوں کا بیان۔

(۴۱ - ۴۸) اصحاب الشمال کے انجام کا بیان اور ان کے بعض خاص جرائم کی طرف اشارہ جن کے سبب سے وہ ایسے انجام کے سزاوار ٹھہریں گے۔

(۴۹ - ۴۷) قریش کے متکبرین کو خطاب کر کے یہ تنبیہ کہ اصحاب الشمال کا جو حشر بیان ہوا ہے یہی حشر تمہارا بھی ہونا ہے اگر تم گمراہی اور تکذیب کی اس روش پر اڑے ہوئے ہو۔ اسی ضمن میں باندازِ اتمامِ حجت قیامت اور جزاء و سزا کے بعض بدیہی دلائل کی طرف اشارہ جن کا انکار صرف ہٹ دھرم ہی کر سکتے ہیں۔

(۷۵ - ۹۶) قرآن کی عظمت اور شیطانی چھوت سے اس کے پاک اور بالاتر ہونے کا حوالہ اور قریش کو یہ تنبیہ کہ اس عظیم نعمت سے روگردانی کر کے اپنی شامت کو دعوت نہ دو۔ یہ کتاب جس انجام سے آگاہ کر رہی ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو آج مقربین اور اصحاب الیمین کا درجہ حاصل کرنے کی جد و جہد کریں ورنہ یاد رکھیں کہ جو لوگ ان درجوں سے محروم رہے وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کا انجام نہایت دردناک ہے۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ (۵۶)

مَكِّيَّةٌ —— آيات: ۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آيات ۱-۵۶

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ
رَّافِعَةٌ ۝۳ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ
بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝۶ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷
فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَأَصْحٰبُ
الْمَشْـَٔمَةِ مَآ أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰
أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۱۲ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ۝۱۳
وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ ۝۱۴ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِـِٔيْنَ
عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷
بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ
عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰ وَ
لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝۲۲ كَأَمْثَالِ
اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ۝۲۵ إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶ وَأَصْحٰبُ

الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ
مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ
كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ
الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾
فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا
كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا
يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا
الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ
اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ
الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِـُٔوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ
شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

ع ٣ / ١٤

ترجمۂ آیات ۱-۵۶

۔ یاد رکھو، جب کہ واقع ہو پڑے گی واقع ہونے والی۔ اس کے واقعہ ہونے میں
کسی جھوٹ کا شائبہ نہیں۔ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی جب کہ زمین
بالکل جھنجھوڑ دی جائے گی اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو کر منتشر غبار بن جائیں گے۔

اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ ۱-۷

ایک گروہ داہنے والوں کا ہوگا، تو کیا کہنے ہیں داہنے والوں کے! دوسرا گروہ بائیں والوں کا ہوگا، تو کیا حال ہوگا بائیں والوں کا! رہے سابقون، تو وہ تو سبقت کرنے والے ہی ہیں! وہی لوگ مقرّب ہوں گے۔ نعمت کے باغوں میں۔ ان میں بڑی تعداد اگلوں کی ہوگی اور تھوڑے پچھلوں میں سے ہوں گے۔ جڑاؤ تختوں پر، ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کی خدمت میں غلمان، جو ہمیشہ غلمان ہی رہیں گے، پیالے جگ اور شرابِ خالص کے جام لیے ہوئے گردش کر رہے ہوں گے جس سے نہ تو ان کو دردِ سر لاحق ہوگا اور نہ وہ فتورِ عقل میں مبتلا ہوں گے اور میوے ان کی پسند کے اور پرندوں کے گوشت ان کی رغبت کے۔ اور ان کے لیے غزال چشم حوریں ہوں گی، محفوظ کیے ہوئے موتیوں کے مانند۔ صلہ ان کے ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ اس میں وہ کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے۔ صرف مبارک سلامت کے چرچے ہوں گے۔ ۸-۲۶

اور رہے داہنے والے تو کیا کہنے ہیں داہنے والوں کے! بے خار بیریوں، تہ بہ تہ کیلوں اور پھیلے ہوئے سایوں میں۔ اور پانی بہایا ہوا۔ میوے فراواں، نہ کبھی منقطع ہونے والے نہ کبھی ممنوع۔ اور اونچے بستر ہوں گے اور ان کی بیویاں ہوں گی جن کو ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا، پس ہم ان کو رکھیں گے کنواریاں، دلربا اور ہم سنیں۔ یہ نعمتیں داہنے والوں کے لیے ہوں گی۔ ان میں اگلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا اور پچھلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔ ۲۷-۴۰

اور بائیں والے تو کیا ہی برا حال ہوگا بائیں والوں کا! وہ لُو کی لپٹ، کھولتے پانی اور

دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جس میں نہ کوئی ٹھنڈک ہو گی اور نہ کسی طرح کی کوئی افادیت۔
یہ لوگ اس سے پہلے خوش حالوں میں تھے اور سب سے بڑے گناہ پر اصرار کرتے رہے۔
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا از سر نو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے! اور کیا ہمارے اگلے آباء و اجداد بھی! ۴۱ - ۴۸

کہہ دو! اگلے اور پچھلے سب جمع کیے جائیں گے، ایک معیّن دن کی مقررہ مدت تک۔
پھر تم لوگ، اے گمراہو اور جھٹلانے والو، زقّوم کے درخت میں سے کھاؤ گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے، پھر اس پر کھولتا پانی تونسے ہوئے اونٹوں کی طرح پیو گے۔ یہ جزا کے دن ان کی پہلی ضیافت ہو گی! ۴۹ - ۵۶

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (۱-۲)

قیامت شدنی ہے

'وَاقِعَةٌ' سے مراد قیامت ہے۔ اس لفظ سے تعبیر اس کے ایک امر شدنی ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے دلائل، پوری تفصیل کے ساتھ، گروپ کی پچھلی سورتوں میں، بیان ہو چکے ہیں اور ان شبہات و سوالات کا بھی ایک ایک کر کے جواب دیا جا چکا ہے جو منکرین نے اس کے امکان اور اس کے وقوع کے باب میں اٹھائے ہیں۔ اب یہ فرمایا کہ اس وقت کو یاد رکھو جب کہ وہ واقع ہونے والی، تمہارے ان تمام لاطائل شبہات و اعتراضات کے علی الرغم، واقع ہو کے رہے گی اور تم کسی طرح بھی اس سے بھاگ نہ سکو گے۔
'لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ' یہاں 'كَاذِبَةٌ' میرے نزدیک 'عَاقِبَةٌ' اور 'عَافِيَةٌ' کی طرح مصدر ہے یعنی اس کے واقع ہونے میں ذرا کسی شک و شبہ اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر تم اس وہم میں مبتلا ہو کہ تم کو جھوٹ موٹ ایک ہوّے سے ڈرایا جا رہا ہے تو اس میں جھوٹ کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے جس سے تمہیں لازماً دوچار ہونا ہے تو عاقبت کی بہبود چاہتے ہو تو اس کے مواجہہ کے لیے تیاری کرو۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۳)

قیامت میں عزت کا معیار ایمان ہوگا

یعنی اس وہم میں نہ رہو کہ تم کو جو سربلندی آج حاصل ہے وہ ہمیشہ حاصل رہے گی اور جن کو حقیر و مبتذل گمان کر رہے ہو وہ اسی طرح حقیر و پست حال رہیں گے بلکہ جب وہ واقع ہونے والی واقع ہوگی تو یہ آسمان و زمین نئے نوامیس و قوانین کے ساتھ نمودار ہوں گے۔ آج عزت و شرف کے جو معیارات ہیں وہ یک قلم تبدیل ہو جائیں گے۔ اس دن تمام عزت و سرفرازی ایمان و عمل صالح کو حاصل ہوگی۔ وہ لوگ سربلند و سرفراز ہوں گے جن کے پاس ایمان و عمل صالح کا سرمایہ ہوگا اور وہ پست و ذلیل ہوں گے جو اس دولت سے محروم اٹھیں گے۔ یہاں بات اجمال کے ساتھ فرمائی ہے۔ آگے آیت ۷ سے اس خفض و رفع کی تفصیل آ رہی ہے۔ اس سے واضح ہو جائے گا کہ اس کے لیے کسوٹی کیا ہوگی۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۙ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (۴-۶)

قیامت کے دن کی ہلچل

یہ اس قیامت کی تصویر ہے کہ اس دن زمین بالکل ہلا دی جائے گی اور یہ اونچے اونچے پہاڑ جن کو نادان لوگ غیر فانی اور غیر متزلزل گمان کیے بیٹھے ہیں، غبار کی طرح پراگندہ ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دن اس زمین کی ساری ہی بلندیاں پست کر دی جائیں گی۔ ایک ایسا زلزلہ آئے گا جو پوری زمین کو جھنجھوڑ کر اس کے تمام ایوانوں اور محلوں کو زمین بوس کر دے گا یہاں تک کہ یہ فلک بوس پہاڑ بھی غبار بن کر فضا میں اڑنے لگیں گے۔ یہی مضمون سورۂ حاقہ میں یوں بیان ہوا ہے: 'وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۙ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ' (الحاقۃ-۶۹: ۱۴-۱۵) (اور اس دن زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا کر بیک دفعہ پاش پاش کر دیے جائیں گے، پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی)۔

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۙ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۙ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۙ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (۷-۱۰)

لوگوں کی تقسیم تین گروہوں میں

یہ اس خفض و رفع کی تفصیل ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۳ میں ہوا ہے۔ فرمایا کہ اس دن تم تین گروہوں میں تقسیم کیے جاؤ گے۔ ایک گروہ اصحاب المیمنہ کا ہوگا، دوسرا گروہ اصحاب المشئمہ کا ہوگا اور تیسرا سابقون پر مشتمل ہوگا۔

'أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ' سے مراد، خود قرآن کی تصریح کے مطابق، وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نامے ان کے دہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ چنانچہ سورۂ حاقہ میں فرمایا ہے: 'فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۙ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۚ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ' (الحاقۃ-۶۹: ۱۹-۲۰) (تو اس دن جس کا اعمال نامہ اس کے دہنے ہاتھ میں پکڑایا جائے گا وہ لوگوں سے خوش ہو کر کہے گا کہ یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میں دنیا میں برابر اندیشہ ناک رہا کہ بالآخر مجھے اپنے اعمال کے حساب سے دوچار ہونا ہے)۔

'اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ سورۂ حآقہ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: 'وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ' (الحآقۃ - ۶۹: ۲۵-۲۹) (رہا وہ جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ کاش! میرا اعمال نامہ مجھ کو ملتا ہی نہ! اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے! اے کاش! پہلی موت ہی فیصلہ کن بن گئی ہوتی! میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا! میرا اقتدار ہوا ہو گیا!)

'سَابِقُوْنَ' سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے دعوتِ حق کے قبول کرنے میں سبقت کی اور اس دور میں اپنے جان و مال سے اس کی خدمت کی توفیق پائی جب اس کی خدمت کرنے والے تھوڑے تھے اور اس کی مدد کے لیے حوصلہ کرنا اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ چنانچہ سورۂ حدید میں، جو اس کی مثنیٰ سورہ ہے، اس حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے: 'لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى' (الحدید - ۵۷: ۱۰) (تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں انفاق اور جہاد کریں گے اور دوسرے جو اس سعادت سے محروم رہیں گے، یکساں نہیں ہوں گے۔ پہلے انفاق و جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا ہے ان لوگوں سے جنھوں نے بعد میں انفاق و جہاد کیا اگرچہ اللہ کا وعدہ دونوں سے اچھا ہی ہے)۔

'مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ' میں جو استفہام ہے یہ اظہارِ شان و عظمت کے لیے بھی آتا ہے اور اظہارِ نفرت و کراہت کے لیے بھی۔ یہاں یہ اظہارِ شان و عظمت کے لیے ہے یعنی دہنے والوں کی شان و عظمت ان کے عیشِ جاوداں، ان کی رفاہیت و خوش حالی اور ان کی عالی مقامی کا کیا پوچھنا ہے! بھلا اس کی تفصیل کس طرح بتائی جا سکتی ہے اور اس کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہے! یہ اسلوبِ کلام اس صورت میں اختیار کیا جاتا ہے جب صورتِ واقعہ الفاظ کے احاطہ اور قیاس و گمان کی رسائی سے مافوق ہو۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ ہماری زبان میں بھی یہ اسلوب معروف ہے۔

'مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ' میں وہی اسلوب اس کے برعکس یعنی اظہارِ نفرت و کراہت کے مفہوم میں ہے یعنی جس طرح 'اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ' کی خوش حالی و بلند اقبالی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح 'اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ' کی بدبختی، ان کی ذلت و مصیبت اور ان کی بدانجامی کا حال بھی کچھ نہ پوچھو! اس کی تصویر بھی الفاظ میں نہیں کھینچی جا سکتی۔ اس کا اندازہ انہی کو ہو گا جن کو اس سے سابقہ پیش آئے گا۔

'وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ' میں دوسرا 'سَابِقُوْنَ' خبر کے محل میں ہے اور اس ایجاز میں غایت درجہ بلاغت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ 'سَابِقُوْنَ' کی عالی مقامی کا کیا پوچھنا ہے، وہ تو سابقون ہی ہوئے!

جب وہ سابقون ہی ہیں تو ان کے درجہ و مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے! وہ لازماً وہاں تک پہنچیں گے جو انسانی شرف و مرتبت کا آخری نقطہ ہے اور اس نقطۂ کمال کا اندازہ بھلا اس عالمِ ناسوت میں کون کر سکتا ہے!

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

اس تفصیل سے ایک تو یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے جنھوں نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ دربارِ الٰہی میں جگہیں پانے والوں کی ترتیب بیان ہوئی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کے دربار سے متعلق اوّل تو دہنے بائیں اور آگے پیچھے کا تصوّر ہی ایک بے معنی تصوّر ہے اور اگر اس تصور کی گنجائش تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ امر اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ اس دربار میں اصحاب الشمال کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں ہوگی نہ بائیں نہ پیچھے بلکہ ان کا ٹھکانا جہنّم ہوگا جس کی وضاحت آگے اس سورہ میں بھی آ رہی ہے اور قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی آئی ہے۔

دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ 'اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ' عام مسلمانوں کے مفہوم میں نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نامے بطورِ اعزاز داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور وہ اپنے شاندار کارناموں پر نہایت شاداں و فرحاں بھی ہوں گے۔ عام مسلمانوں میں تو بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جن کی نسبت یہ گمان کرنا بڑا ہی فیاضانہ حسنِ ظن ہوگا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور وہ جوشِ مسرت میں 'هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ' کا نعرہ بھی لگانے کے لائق ہوں گے۔ رہا یہ سوال کہ 'اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ' اور 'سٰبِقُوْنَ' میں کس نوعیت کا فرق ہے تو اس کی طرف اوپر بھی ہم اشارہ کر چکے ہیں اور آگے بھی اس کی وضاحت آ رہی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (۱۱-۱۴)

'سابقون' کا صلہ

چونکہ کُل سرسبد اور سرخیل قافلہ کی حیثیت انہی 'سٰبِقُوْنَ' کو حاصل ہوگی اس وجہ سے انہی کا مرتبہ اور صلہ سب سے پہلے بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ انہی لوگوں کو مقرّبین کا درجہ حاصل ہوگا۔ 'مقرّبین' سے مراد ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرّبین ہیں لیکن ان مقرّبین کا ٹھکانا 'جَنّٰتِ النَّعِيْمِ' ہی بتایا ہے، دربارِ الٰہی کے قسم کی کسی چیز کا کوئی تصور نہیں دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقرّبینِ الٰہی کے لیے خاص ان کے درجے و مرتبے کے لحاظ سے جنتیں ہوں گی جن میں وہ رکھے جائیں گے۔ آگے ان کی جنت سے متعلق بعض اشارات آ رہے ہیں۔

'ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ'۔ اب یہ واضح فرمایا کہ اس مبارک گروہ میں شامل ہونے کی سعادت کن لوگوں کو حاصل ہوگی۔ فرمایا کہ ان میں زیادہ تعداد تو اگلوں کی ہوگی اور ایک قلیل تعداد پچھلوں کی بھی ہوگی۔ 'ثُلَّةٌ' کے اصل معنی تو گروہ اور جماعت کے ہیں لیکن اس کے مقابل میں چونکہ لفظ 'قَلِيْلٌ' استعمال ہوا ہے اس وجہ سے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس کو گروہِ کثیر کے مفہوم

میں لیا جائے۔

'اوّلین' اور 'آخرین' سے مراد ہمارے نزدیک اسی امّت کے اوّلین و آخرین ہیں۔ اوپر ہم نے سورۂ حدید کا حوالہ دیا ہے جس سے واضح ہوا کہ ان لوگوں کے انفاق اور جہاد کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اونچا ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد و انفاق کی سعادت حاصل کی۔ بعد والوں کے جہاد و انفاق کا درجہ وہ نہیں ہوگا تاہم اللہ تعالیٰ کا وعدہ دونوں ہی سے اچھا ہے۔ یعنی بعد والے اگرچہ من حیث العموم اگلوں کے مرتبہ کو تو نہ پہنچ سکیں گے تاہم اپنے اخلاص و حسنِ عمل سے ان کے لیے اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ میں جگہ حاصل کرنے کی راہ کھلی ہوگی۔

'اوّلین' اور 'آخرین' سے مراد

'ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ' کے الفاظ سے یہ بات بھی نکلی کہ اگلوں میں سے لازماً سب ہی مقربین کا درجہ حاصل نہیں کر لیں گے بلکہ ان کی اکثریت کو یہ مقام حاصل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس درجے کا تعلق مجرد زمانے ہی سے نہیں ہے بلکہ اس میں اصلی دخل اوصاف و اعمال کو ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے تو اوّلین میں ہو لیکن اپنی عزیمت، رسوخ اور قربانیوں کے اعتبار سے مقربین کا درجہ نہ حاصل کر سکا بلکہ اَصْحٰبُ الْیَمِیْن ہی کے درجے تک رہ گیا۔

اسی طرح 'قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس امت کے پچھلوں میں سے بھی ایسے لوگ نکلیں گے جو سابقون الاوّلون کے زمرے میں شامل ہونے کا شرف حاصل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو فتنوں کے زمانے میں بھی حق پر قائم رہیں گے، حق ہی کی دعوت دیں گے، اور حالات خواہ کتنے ہی صبر آزما ہو جائیں اور ان کی تعداد خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن وہ ہمت نہیں ہاریں گے۔ اس قسم کا ایک گروہ اس امت میں، جیسا کہ احادیث میں بشارت ہے، ہر دور میں پیدا ہوتا رہے گا۔ یہ لوگ زمانے کے اعتبار سے تو آخرین میں ہوں گے لیکن اپنی خدمات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اوّلین کے زمرے میں جگہ پائیں گے۔ اسی حقیقت کی طرف سیدنا مسیح علیہ السلام نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ "کتنے پیچھے آنے والے ہیں جو آگے ہو جائیں گے"۔

ایک خاص نکتہ

یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ ہر چند ان آیات کا تعلق اسی امت سے ہے لیکن اصولی طور پر یہ بات ہر نبی و رسول کی امت پر منطبق ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ یہی بات ایک عام کلیہ کی حیثیت سے ارشاد ہوئی ہے۔ فرمایا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر - ۳۲ : ۳۵) (پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو اپنے بندوں میں سے اس کارِ خاص کے لیے منتخب کیا تو ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے نکلے، کچھ میانہ رَو ہوئے اور کچھ اللہ کی توفیق سے بھلائیوں کی راہ میں سبقت کرنے والے ہوئے)

اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ الفاظ بدلے ہوئے ہیں لیکن اس میں بھی انہی تین گروہوں کا ذکر ہے جن کا ذکر اوپر اصحب المیمنۃ، اصحب المشئمۃ اور سابقون کے الفاظ سے ہوا ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿ۙ۱۷﴾ بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۬ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿ۙ۱۸﴾ لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ﴿ۙ۱۹﴾ وَ فَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ ﴿ۙ۲۰﴾ وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿ؕ۲۱﴾ وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿ۙ۲۲﴾ کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ (۱۵-۲۳)

مقربین کی جنت کی تمثیل

یہاں مقربین کی جنت کی تمثیل ہے۔ پہلے ان کی نشست گاہ اور ان کے اندازِ نشست کی تصویر کھینچی ہے کہ وہ جڑاؤ اور زرنگار تختوں پر گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ 'مَوۡضُوۡنَۃ' کے معنی بعض لوگوں نے دوسرے بھی لیے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو ہم اپنی زبان میں لفظ 'جڑاؤ' سے ادا کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کے شاہانِ عجم اپنے درباروں میں اسی طرح کے زرنگار، سونے، ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تختوں پر جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔

'مُتَّکِـِٕیۡنَ' کے لفظ کے اندر گاؤ تکیوں کا مفہوم خود مضمر ہے اس لیے کہ ٹیک لگانے کے لیے مسندیں اور گاؤ تکیے ضروری ہیں اور زمانۂ قدیم میں تختِ شاہی کے لوازم میں یہ تماثیل بھی رہے ہیں۔

'آمنے سامنے' بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دل باہمی رنج و رقابت اور کینہ و حسد سے بالکل پاک ہوں گے۔ جن کے دلوں کے اندر کدورت ہوتی ہے وہ ایک دوسرے سے منہ پھیر کے بیٹھتے ہیں لیکن اہلِ جنت کے دل کینہ و حسد سے، جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں تصریح ہے، بالکل پاک ہوں گے اس وجہ سے وہ مخلص اور محبت کرنے والے عزیزوں اور ساتھیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بیٹھیں گے۔

'یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿ۙ﴾ بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۬ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿ۙ﴾ لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ فَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ' یہ اس سامانِ ضیافت کی طرف اشارہ ہے جو ان کے لیے وہاں مہیا ہو گا۔ فرمایا کہ ان کی خدمت میں غلمان پیالے، جگ اور شرابِ خالص کے جام لیے ہوئے ہر وقت حاضر باش ہوں گے۔

'مُخَلَّدُوۡنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی سن و سال کے رہیں گے۔ ان کی حیثیت دائمی خدام کی ہو گی۔ مجلسی خدمات کے لیے ایک خاص سن کے لڑکے ہی زیادہ موزوں، خوش آداب اور مستعد و سرگرم

خیال کیے جاتے ہیں اس وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایک ہی سن کا رکھے گا اور چونکہ مزاج شناس خادم ہی اپنے آقا کی سب سے زیادہ بہتر طریقہ پر خدمت کر سکتا ہے اس وجہ سے جو لڑکے جن کے ساتھ لگا دیے جائیں گے وہ برابر انہی کی خدمت میں رہیں گے۔ قرآن کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لڑکوں کو اللہ تعالیٰ خاص اسی مقصد کے لیے بنائے گا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ کفار کے بچے، جو نابالغی میں وفات پا جائیں گے، ان کو اللہ تعالیٰ اہل جنت کی خدمت میں لگا دے گا۔ اس رائے کے حق میں اگرچہ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں ہے لیکن کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو اس کے خلاف جاتی ہو۔ اس لیے کہ کفار کے بچوں کے دوزخ میں جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خدمت ہی میں لگائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی جنت بہت وسیع اور وہ بڑا کریم ہے۔ وہ ان کو ان کی بے گناہی کے صلہ میں بھی جنت دے سکتا ہے۔

'اَکْوَابٌ' 'کُوْبٌ' کی جمع ہے اور 'کوب' اور کپ (cup) ایک ہی چیز ہے۔ 'اَبَارِیْقُ' جمع ہے 'اِبْرِیْقٌ' کی۔ 'ابریق' فارسی کے آب ریز سے معرب معلوم ہوتا ہے اور یہ چیز اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ عربوں نے بہت سے تمدنی الفاظ عجمیوں سے لیے ہیں۔ لفظ 'کَاْسٌ' ظرف اور مظروف یعنی شراب اور جام شراب دونوں کے لیے آتا ہے۔ 'مَعِیْنٌ' خالص پانی اور خالص پانی کے چشمہ کے لیے بھی قرآن میں آیا ہے اور شراب خالص کے ایک چشمہ کے لیے بھی جو جنت میں ہے۔ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔

'لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ' یہ شراب ایسی ہوگی کہ اس سے شراب کا جو اصل فائدہ ہے یعنی سرور، وہ تو حاصل ہوگا لیکن اس دنیا کی شراب کے تمام مضرات سے وہ بالکل پاک ہوگی۔ یہاں کی شراب سے اعضا شکنی، خمار اور درد سر بھی لاحق ہوتا ہے، جنت کی شراب میں یہ مفاسد نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اس دنیا کی شراب کا سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس سے عقل جاتی رہتی ہے درآنحالیکہ عقل ہی انسان کا اصل جوہر ہے اور ایک منٹ کے لیے بھی اس کا فتور نہ جانے کن کن ہلاکتوں میں اس کو ڈال سکتا ہے۔ جنت کی شراب اس زہر سے محفوظ ہوگی۔ 'نُزِفَ الرجل' کے معنی ہیں 'ذھب عقلہ' آدمی کی عقل جاتی رہی۔

'وَفَاکِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ٥ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ'۔ شراب کے ساتھ ساتھ یہ دوسرے لوازم کا ذکر ہے کہ غلمان ان کے سامنے ان کے انتخاب کے پھل اور ان کی پسند کے پرندوں کے گوشت بھی لیے پھریں گے۔ کھانے کی چیزوں میں سرفہرست یہی دو چیزیں ہیں۔ ان کا ذکر آ گیا تو گویا سب ہی کا آ گیا۔ ان کے ساتھ 'مِمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ' اور 'مِمَّا یَشْتَهُوْنَ' کی قید اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ ہر شخص کے ذوق اور انتخاب کا پورا پورا لحاظ ہوگا۔ پھل ان کے سامنے

وہ پیش کیے جائیں گے جن کا وہ انتخاب کریں گے اور گوشت ان پرندوں کے ان کے سامنے حاضر کیے جائیں گے جن کی وہ خواہش کریں گے۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ کھانے اور پینے کی ساری لذتیں انسان کے لیے ادھوری ہیں اگر ان میں بیوی شریک نہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سرمایۂ راحت و سکینت بنایا ہے۔ جس طرح اس دنیا میں آدمی اس شریکِ رنج و راحت کا محتاج ہے، جس کے بغیر اس کی بزم سُونی رہتی ہے اسی طرح جنت میں بھی اس کی لذت ادھوری رہ جاتی اگر یہ اس میں شریک نہ ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ وہاں اس کو غزال چشم اور دُرِّ مکنون کی طرح اچھوتی اور پاک حوریں دے گا۔ ان دو صفتوں کے اندر ان حوروں کے حسنِ ظاہر اور حسنِ باطن کے سارے پہلو جمع ہو گئے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۴)

یہ وہ اصل سرفرازی ہے جو ان جانبازوں کو حاصل ہوگی۔ فرمایا کہ یہ جو کچھ ان کو ملے گا ان کے اعمال کے بدلے میں ملے گا۔ اس کے وہ حقدار ہوں گے اور ربِّ کریم لازماً ان کا یہ حق ادا کرے گا۔ انسان کی فطرت کے اس پہلو پر یہاں نظر رہے کہ اس کی نگاہوں میں جو قدر و قیمت اس چیز کی ہوتی ہے جو اس نے اپنے حق کے طور پر حاصل کی ہو وہ قدر و قیمت اس چیز کی نہیں ہوتی جو اس کو اتفاقاً حاصل ہو گئی ہو یا بطور صدقہ ملی ہو، خواہ یہ پہلی کے مقابل میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (۲۵-۲۶)

یہ ان کے بے غل و غش عیش کی طرف اشارہ ہے کہ دشمنوں، معترضوں اور نکتہ چینوں کی جتنی ژاژخائیاں اور بکواسیں سننی ہیں وہ دنیا میں سن چکے ہوں گے اور جتنے چرکے سہنے ہیں وہ سہ چکیں گے۔ وہاں نہ کسی بکواس کرنے والے کی بکواس ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات ان کے کانوں میں پڑے گی۔ وہاں ان کے لیے رحمت ہی رحمت اور سلام ہی سلام ہے۔ ربِّ رحیم و غفور کی طرف سے بھی سلام، فرشتوں کی طرف سے بھی سلام اور ساتھیوں کی طرف سے بھی سلام!! صبح بھی سلام اور شام بھی سلام ہی!

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (۲۷)

'اصحٰب الیمین' کی جنت

یہ اصحاب الیمین کی جنت کا بیان آ رہا ہے۔ اوپر ان کا ذکر 'اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ جس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ قرآن میں 'اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ' اور 'اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ' کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی وہ لوگ جن کے اعمال نامے ان کے دہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

'مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ' کا مفہوم بھی وہی ہے جو اوپر 'مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ' کا بیان ہوا۔ یعنی کیا کہنے ہیں ان کے مرتبہ کے! کیا پوچھنا ہے ان کی عظمت و شان کا! کیا بیان ہو ان کے عیش و آرام کا!

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (۲۸ - ۳۳)

یہ ان کی جنت کے پھلوں، اس کے سایہ اور اس کی طراوت کا ذکر ہے۔

'فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ'۔ سِدْرٌ بیری کو کہتے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں بیری کی کچھ زیادہ وقعت نہیں ہے اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ یہ کیا ایسا پھل ہے جس کا قرآن نے ذکر فرمایا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اولؔ تو ہر علاقے کی بیری یکساں نہیں ہوتی بعض علاقوں میں اس کے پھل نہایت لذیذ، خوشبودار اور خوش رنگ ہوتے ہیں۔ ثانیاً یہ جنت کی بیری ہے، جس کا ذکر اس دنیا میں صرف تمثیل ہی کے پیرایہ میں ہو سکتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت جاننے کا یہاں کوئی ذریعہ نہیں ہے، صرف وہی لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوں گے جن کو اصحاب الیمین میں شمولیت کا شرف حاصل ہو گا۔ ویسے قرآن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ سورۂ نجم میں فرمایا ہے: 'وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۙ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۙ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی' (النجم-۵۳: ۱۳ - ۱۶) (اور پیغمبر نے جبریل کو دوبارہ بھی اترتے دیکھا آخری سرے کی بیری کے پاس، اسی کے پاس جنت ماویٰ بھی ہے، جب کہ بیری کو چھائے ہوئے تھی جو چیز چھائے ہوئے تھی!) سورۂ نجم کی ان آیات کے تحت، اشاراتِ قرآن کی رہنمائی میں، ہم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ اس بیری کا ذکر ہے جو عالم ناسوت اور عالم لاہوت کے نقطۂ اتصال پر ہے، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے جہاں سے عالم لاہوت کی حدود شروع ہوتے ہیں۔ اس بیری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ فرمایا جس کا ذکر 'اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی' (النجم-۵۳: ۱۶-۱۷) کے شاندار الفاظ میں ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی مشاہداتِ نبوت، جو تورات اور قرآن میں بیان ہوئے ہیں، ان میں بھی ذکر آتا ہے کہ انھوں نے ایک درخت سے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی اور اس پر انوار و تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ اگرچہ قرآن میں کوئی اشارہ اس طرح کا نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ درخت کس چیز کا تھا لیکن دونوں واقعات میں یکسانی واضح ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ درخت بھی بیری ہی کا ہو۔

'سِدْرٍ' کے ساتھ 'مَّخْضُوْدٍ' کی صفت اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ یہ بیری دنیا کی بیریوں کی طرح آزار پہنچانے والی نہیں ہو گی کہ کوئی ایک بیر لینے کی کوشش کرے تو اپنے ہاتھوں کو اس کے کانٹوں سے زخمی بھی کرائے۔ یہ بے خار اور بالکل بے آزار ہوں گی۔ اہل جنت جب چاہیں اور جہاں سے چاہیں گے ان کے پھل توڑ لیں گے۔ لفظ 'خضد'، کسی کانٹوں والی چیز کے کانٹوں کو کاٹ دینے کے لیے آتا ہے۔ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ ان کے پھلوں کی طرح ان کے درخت بھی

دنیا کی بیریوں سے مختلف مزاج کے ہوں گے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس دنیا میں بھی بیریوں کی جو قسمیں جتنی ہی اچھی ہوتی ہیں اتنے ہی ان میں کانٹے کم ہوتے ہیں۔ کانٹے زیادہ جھڑ بیریوں میں ہوتے ہیں۔ قرآن میں اہل سبا کے جس جنت نشان باغ کی تباہی کا ذکر ہے اس میں بیریوں کی تباہی کا بھی ذکر ہے کہ وہ جھاڑ بن کے رہ گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھل ان کے پسندیدہ پھلوں میں تھا اور اس کے درخت ان کے باغوں کی زینت بنتے تھے۔ اپنے خاندان کے اعتبار سے بھی بیر سیب کے خانوادہ سے نسبت رکھنے والا پھل ہے۔

'وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ'۔ 'طلح' کیلے کو کہتے ہیں۔ 'منضود' اس کے پھلوں کی تصویر ہے کہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں گے۔ ان کی ترتیب اور ان کے چناؤ کا حسن گواہی دے گا کہ خالق نے خاص اہتمام سے اپنے بندوں کی ضیافت کے لیے ان کو چنا ہے۔

'وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ٥ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ'۔ یہ اس باغ کی شادابی اور اس کی طراوت کا بیان ہے کہ اس کے درخت اپنے زور اور شادابی کے سبب سے اس طرح ایک دوسرے کے متصل ہوں گے کہ ان کے اندر دھوپ کا گزر نہیں ہونے پائے گا اس وجہ سے ہر طرف سایہ ہی سایہ ہوگا اور اس میں دواماً پانی بھی بہایا جاتا رہے گا تاکہ اس کی رونق میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔

'وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ٥ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ'۔ یعنی اوپر جن پھلوں کا ذکر ہوا ہے محض مثال کے طور پر ہوا ہے۔ دوسرے بہت سے پھل بھی ہوں گے اور ان کا حال بھی اس دنیا کے پھلوں سے بالکل مختلف ہوگا۔ اس دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ایک خاص وقت پر درخت کے پھل توڑ لیے جاتے ہیں یا از خود ختم ہو جاتے ہیں لیکن وہاں کے درخت سدا بہار ہوں گے، ان کے پھل کبھی منقطع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اس دنیا کے باغوں کو یہ اُفتاد بھی پیش آتی ہے کہ ایک سال پھل آئے، دوسرے سال نہیں آئے یا بہت کم آئے۔ وہاں کے درختوں کو یہ آفت بھی کبھی پیش نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بارآوری سے کبھی محروم نہیں فرمائے گا۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ٥ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ٥ عُرُبًا اَتْرَابًا (۳۴-۳۷)

یہ ان کی نشست گاہوں اور ان کی بیویوں کا ذکر ہے۔ اوپر سابقین مقربین کے ذکر میں، یاد ہوگا، ترتیب بیان اس سے مختلف ہے۔ اس فرق کے بعض نفسیاتی وجوہ ہیں لیکن اس طرح کی تفصیلات میں یہاں جانے کا موقع نہیں ہے۔

فرمایا کہ ان کے بیٹھنے کے لیے اونچے بچھونے ہوں گے اور ان کے لیے بیویاں ہوں گی جن کو ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیویوں کے لیے ضمیر بغیر کسی

مرجع کے آگئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ضمیر کے لیے لفظوں میں کوئی مرجع نہیں ہے لیکن قرینہ نہایت واضح موجود ہے۔ عربی میں مثل ہے کہ الشیءُ بالشیءِ یذکر بات سے بات یاد آتی ہے۔ یہاں بچھونوں کے ذکر کے بعد بیویوں کا ذکر اسی نوع کی چیز ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں تختوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ بیویوں کا ذکر آیا ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر یہاں ان کا ذکر محض ضمیر سے کر دیا جس میں ایجاز کی بلاغت بھی ہے اور خواتین کے ذکر میں پردہ داری کے لحاظ کی تعلیم بھی۔ یہ بات کہ تختوں اور بچھونوں کے ساتھ قرآن میں بیویوں کا ذکر آیا ہے محتاجِ حوالہ نہیں ہے۔ لیکن محض اطمینانِ خاطر کے لیے ہم بعض شواہد نقل کیے دیتے ہیں۔ سورۂ طور میں ہے:

مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ (الطور - ۵۲ : ۲۰)

وہ ٹیک لگائے ہوں گے صف بہ صف بچھے ہوئے تختوں پر اور ہم ان کی شادیاں کر دیں گے غزال چشم حوروں کے ساتھ۔

اسی طرح سورۂ یٰسٓ میں ہے:

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (یٰسٓ - ۳۶ : ۵۶)

وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً۔ ان حوروں کی تعریف میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہے اس وجہ سے ان کی خصوصیات و صفات اس دنیا کی عورتوں کی خصوصیات و صفات سے بالکل مختلف ہوں گی۔ اس دنیا کی عورت کا کنوارپن اور اس کی جوانی و دل ربائی ہر چیز وقتی اور فانی ہے۔ ع

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

لیکن حورانِ جنّت کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بالکل مختلف ساخت پر نشو و نما بخشی ہے اس وجہ سے ان کے کنوارپن اور حسن و جوانی پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۔ ف، یہاں اس خاص اٹھان کی وضاحت کے لیے ہے کہ وہ ہمیشہ کنواریاں رہیں گی۔ ان کے مرد جب بھی ان سے ملاقات کریں گے ان کی ملاقات اس اعتبار سے گویا پہلی ملاقات ہوگی۔

'عُرُب' جمع ہے 'عروب' کی۔ اس کے معنی ہیں محبوب اور دل ربا بیوی۔ ظاہر ہے کہ جب ان کے حسن، جوانی اور کنوارپن کسی چیز میں بھی فرق نہیں آئے گا تو شوہروں کی نظر سے ان کے گرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی بلکہ وہ گلِ تر کی طرح ہمیشہ مطلوب و محبوب بنی رہیں گی۔

'اتراب' جمع ہے 'ترب' کی۔ یہ لفظ ہم سن و ہم عمر کے معنی میں آتا ہے لیکن عربیت کا ذوق

رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس کا غالب استعمال عورتوں کے لیے ہے اس وجہ سے میرے نزدیک یہاں یہ ہم جولیوں کے معنی میں ہے۔ سورۂ نبا میں کَوَاعِبَ اَتْرَابًا (کنواری ہم جولیاں) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ جنت کو جتنی حوریں بھی ملیں گی سب ہم جولیاں اور ہم سن ہوں گی اس وجہ سے نہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کا سوال پیدا ہوگا اور نہ ان حوروں کے اندر رشک و رقابت کے جذبات ابھریں گے۔ جس طرح وہ ہمیشہ جوان اور کنواریاں رہیں گی اسی طرح ان کے شوہر بھی جوان رعنا رہیں گے۔

لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (۳۸)

اس کو اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً سے متعلق بھی مان سکتے ہیں اور مبتدائے محذوف کی خبر بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اگر پہلی صورت مانیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اس خاص اٹھان اور ان خاص اوصاف کی حوریں ہم نے اصحاب الیمین کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہ ساری نعمتیں جو اوپر بیان ہوئیں، ہمارے ہاں اصحاب الیمین کے لیے ہیں۔ میرا رجحان پہلی صورت کی طرف ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے باعتبارِ مدعا کوئی خاص فرق نہیں ہوگا، صرف بلاغتِ بیان کے اعتبار سے نازک سا فرق واقع ہوگا جس کا اندازہ اہلِ ذوق خود کر سکتے ہیں اس وجہ سے وجوہِ ترجیح کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (۳۹-۴۰)

اوپر 'سَابِقُوْنَ' کے ذکر میں بتایا ہے کہ اس گروہ میں بڑی تعداد اگلوں ہی میں سے ہوگی، پچھلوں میں سے اس میں شامل ہونے کی سعادت کم ہی خوش بختوں کو حاصل ہوگی۔ یہاں بتایا کہ 'اصحٰب الیمین' میں اگلوں اور پچھلوں دونوں میں سے ایک ایک گروہ ہوگا۔ اوپر یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ اگلوں اور پچھلوں سے اسی امت کے اگلے اور پچھلے مراد ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قیامِ قیامت تک جتنے مسلمان اس دنیا میں آئیں گے ان میں سے ایسے لوگ برابر نکلتے رہیں گے جن کا شمار 'اصحٰب الیمین' کے طبقہ میں ہوگا اور قیامت کے دن وہ ایک ہی گروہ کی حیثیت حاصل کر لیں گے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (۴۱-۴۴)

'اصحٰب الشمال' کا حشر

یہ 'اصحٰب الشمال' یعنی ان لوگوں کا حشر بیان ہو رہا ہے جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ فرمایا کہ وہ لوؤں اور شعلوں کی لپیٹ اور گرم پانی کے بیچ میں ہوں گے۔ جب گرمی کی ایذا سے گھبرا کر وہ پانی کی طرف بھاگیں گے تو انھیں کھولتا پانی پینے کو ملے گا۔ اسی بھاگ دوڑ میں ان کی زندگی گزرے گی۔ یہی مضمون يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ

اٰنٍ' (الرحمٰن - ۵۵: ۴۴) کے الفاظ سے بھی بیان ہوا ہے۔

'وَظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ' یعنی ان کو کوئی سایہ نصیب نہیں ہوگا۔ صرف سیاہ دھوئیں کا سایہ وہاں ان کے لیے ہوگا۔ اور یہ ان تمام خوبیوں سے محروم ہوگا جو سایہ میں ہوتی ہیں۔ سایہ میں اصل چیز ٹھنڈک ہوتی ہے لیکن اس دھوئیں کے سایہ میں اذیتیں تو وہ ساری ہوں گی جو دھوئیں کے اندر ہوتی ہیں لیکن کوئی ٹھنڈک نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض دوسرے فوائد کا امکان بھی اس میں ہوسکتا ہے مثلاً شعلوں ہی کی لپیٹ سے ذرا اس کے سایہ میں امان نصیب ہوجائے لیکن یہ چیز بھی اس سے حاصل نہیں ہوگی۔ 'کریم' کے معنی فیض بخش کے ہیں یعنی اس سایہ میں نہ ٹھنڈک ہوگی نہ کوئی اور فائدہ۔ سورۂ مرسلات میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: 'لَا ظَلِیۡلٍ وَّلَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّهَبِ' (المرسلٰت - ۷۷: ۳۱) (نہ سایہ دار اور نہ شعلوں سے بچانے والا)۔

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۚۖ وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ۚ وَكَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ (۴۵-۴۸)

یہ ان کے ان بڑے جرائم کی طرف اشارہ ہے جن کے سبب سے وہ اس انجام بد کو پہنچے۔ اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دن لوگوں کے سامنے حاضر کردیا گیا ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ یہ بدقسمت لوگ اس انجام کو پہنچے تو کیوں پہنچے!

'اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ'۔ فرمایا کہ یہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا میں بڑے مالدار اور عیش ورفاہیت والے رہے ہیں۔ یہ بات ان کے جرم کی حیثیت سے نہیں بیان ہوئی ہے بلکہ اس سے ان کے ان جرائم کی سنگینی واضح ہو رہی ہے جو آگے بیان ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو عیش وآرام اور دولت وثروت سے نوازا جس کا حق یہ تھا کہ وہ اس کے شکر گزار و فرمانبردار بندے بنتے لیکن یہ اس سے استکبار میں مبتلا ہوئے اور سب سے بڑے گناہ پر برابر اصرار کرتے رہے۔

دوسرا مقصد اس سے اس پستی و بلندی کو نمایاں کرنا ہے جس کا ذکر قیامت کی صفت کی حیثیت سے ابتدائے سورہ میں 'خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ یعنی دیکھ لو، دنیا میں جو لوگ سب سے اونچے اور سربلند رہے وہ یہاں آکر عذاب الٰہی کے کس کھڈ میں گرے!

'وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ'۔ 'حنث' کے معنی گناہ کے ہیں۔ اس کی صفت یہاں عظیم آئی ہے جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ 'شرک' فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے بھی سب سے بڑا گناہ ہے اور قرآن نے بھی اس کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا ہے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۵ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۵ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ۔ یہ ان کے دوسرے بڑے جرم کا ذکر ہے کہ وہ آخرت اور جزاء و سزا کے اس بنا پر منکر تھے کہ ان کے نزدیک مر کر سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ایک بالکل ناممکن بات تھی چنانچہ جب ان کو آخرت کے حساب کتاب سے آگاہ کیا جاتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے کہ کیا جب ہم مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو از سر نو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور ہمارے اگلے آبا و اجداد بھی، جو مدتوں پہلے خاک میں مل چکے ہیں، از سر نو زندہ کیے جائیں گے! یعنی یہ بات انہونی ہے اور جو لوگ اس سے ڈرا رہے ہیں وہ محض ہم کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور وہ خود بھی عقل سے بالکل عاری ہیں۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۵ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۴۹-۵۰)

قریش کو تنبیہ

اَصْحٰبُ الشِّمَالِ کے جرائم بیان کرتے ہوئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قریش کو جواب دلوایا کہ یہی استبعاد آج تم میری تذکیرِ آخرت کے جواب میں پیش کرتے ہو تو اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ جتنے بھی اگلے اور پچھلے ہیں سب ایک معین دن کی مقررہ میقات تک جمع کیے جاتے رہیں گے اور جب وہ میقات آ جائے گی تو وہ جزاء و سزا کے لیے اٹھائے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مر جاتے ہیں یہ نہ سمجھو کہ جس طرح تمہارے اندر سے وہ ختم ہو گئے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بھی وہ ختم ہو گئے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے ذخیرہ میں جمع کیے جا رہے ہیں اور جب جزاء و سزا کا یوم موعود آ جائے گا تو وہ سب اٹھائے جائیں گے ——— خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے ——— 'لَمَجْمُوْعُوْنَ' کے بعد 'اِلٰى' اسی طرح استعمال ہوا ہے جس طرح دوسری جگہ فرمایا ہے: 'كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ' (الانعام - ٦ : ١٢) (اللہ نے اپنے اوپر رحمت واجب کر رکھی ہے، وہ تم کو روزِ قیامت تک لازماً جمع کرتا رہے گا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۵ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۵ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۵ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۵ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (۵۱-۵۵)

یہ قریش کو براہ راست خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ اے گمراہو اور جھٹلانے والو، جانتے ہو کہ اٹھائے جانے کے بعد کیا ہو گا؟ اس کے بعد تم زقوم کے خاردار اور کڑوے پتوں اور پھلوں سے اپنے پیٹ بھرو گے، پھر اس پر کھولتا ہوا پانی اس طرح پیو گے جس طرح تونسے ہوئے اونٹ پیتے ہیں۔

'ضَآلُّوْنَ' اور 'مُكَذِّبُوْنَ' کی دو صفتوں سے خطاب ان کے ان دو جرموں کے اعتبار سے ہے جو مذکور ہوئے۔ اوپر ان کے شرک اور تکذیبِ آخرت کا ذکر ہوا ہے، انہی کے لحاظ سے یہاں

خطاب 'ضَآلُّوْنَ' اور 'مُكَذِّبُوْنَ' کے الفاظ سے ہوا، یعنی اللہ کی توحید کے باب میں کج راہ اور آخرت کے جھٹلانے والے۔

اور ان کے 'مُتْرَفِيْنَ' یعنی امراء و اغنیاء اور اربابِ تنعّم میں سے ہونے کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اس مناسبت سے آخرت میں ان کی غذا تھوہر ہوگی۔ وہ اس کے پتوں اور کانٹوں کو چابیں اور اس پر کھولتا پانی پئیں گے۔

'هِيْمٌ' جمع ہے 'اَهْيَمُ' کی۔ 'اهیم' اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کو 'ھیام' یعنی تونس کی بیماری لاحق ہو، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ پانی پیتا چلا جاتا ہے لیکن اس کی پیاس کسی طرح نہیں بجھتی۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۵۶)

'نُزُل' جیسا کہ ہم جگہ جگہ وضاحت کرتے آرہے ہیں، اس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کے مرکب سے اترنے کے بعد سب سے پہلے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی اولین ضیافت تھوہر اور گرم پانی سے ہوگی کون اندازہ کر سکتا ہے کہ بعد میں ان کے سامنے کیا کچھ آئے گا!

۲- آگے آیات ۵۷-۷۴ کا مضمون

آگے بعث اور جزاء کے دلائل آرہے ہیں جن کے انکار کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اسلوبِ بیان زجر و ملامت کا ہے۔ نظمِ کلام بالکل واضح ہے۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ

آیات ۵۷-۷۴

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

النصف ع ۲ ۳۷ ۱۵

ترجمۂ آیات ۵۷-۷۴

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ؟ کیا تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم ٹپکا دیتے ہو! اس کی صورت گری تم کرتے ہو یا صورت گری کرنے والے ہم ہیں ؟ ہم نے تمھارے درمیان موت مقدّر کی ہے اور ہم عاجز رہنے والے نہیں ہیں بلکہ قادر ہیں اس بات پر کہ ہم تمھاری جگہ تمھارے مانند بنا دیں اور تم کو اٹھائیں اس عالم میں جس کو تم نہیں جانتے ۔ اور پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہی ہو تو اس سے کیوں یاددہانی نہیں حاصل کرتے ! ۵۷ - ۶۲

کیا تم نے غور کیا ہے اس چیز پر جو تم بوتے ہو ؟ اس کو تم پروان چڑھاتے ہو یا پروان چڑھانے والے ہم ہیں ؟ ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر چھوڑیں تو تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ ۔ بے شک ہم تو تاوان میں پڑے ! بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم رہے ! ۶۳-۶۷

ذرا غور تو کرو اس پانی پر جو تم پیتے ہو! کیا تم نے اس کو اتارا ہے بادلوں سے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں ؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل ہی تلخ بنا دیں تو تم لوگ شکر کیوں نہیں کرتے ! ۶۸ - ۷۰

ذرا غور تو کرو اس آگ پر جس کو جلاتے ہو! کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کے

درخت کو یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں! ہم نے اس کو یاددہانی اور صحرا کے مسافروں کے لیے ایک نہایت نفع بخش چیز بنایا ہے۔ ۷۱-۷۳

تو تم اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کرو! ۷۴

۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ (۵۷)

خطاب انہی منکرینِ قیامت سے ہے جن کا قول 'اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ' اوپر نقل ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ جب ہم ہی نے تم کو پیدا کیا اور اس حقیقت سے تمھیں مجالِ انکار نہیں ہے تو پھر قیامت کی تصدیق سے تمھیں کیوں گریز ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ تمھیں پیدا کرنے سے ہم قاصر نہیں رہے تو دوبارہ پیدا کرنے سے کیوں عاجز رہیں گے؟ اوّل بار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا دوسری بار؟ یہ منطق عجیب ہے کہ جو کام زیادہ مشکل ہے اس کے واقع ہونے کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور جو اس سے بالبداہت آسان ہے اس کو ناممکن قرار دیتے ہو! ——— 'تُصَدِّقُوْنَ' کے بعد اس کا مفعول 'بِالدِّيْنِ' یا 'بِالْبَعْثِ' برنبائے وضاحتِ قرینہ محذوف ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (۵۸-۵۹)

انسان کی خلقت سے قیامت کی دلیل

یہ انسان کی خلقت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر تمھیں یہ گمان ہے کہ تمھاری خلقت میں کچھ تمھاری تدبیر و حکمت کو بھی دخل ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ تمھیں وجود میں نہیں لا سکتا تو آؤ دیکھو کہ اس میں تمھارا دخل کتنا ہے؟ فرمایا کہ تم جو کچھ کرتے ہو بس اس قدر ہے کہ پانی کی ایک بوند عورت کے رحم میں ٹپکا کر الگ ہو جاتے ہو۔ اس بوند کو تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر گوناگوں مراحل سے گزار کر، ایک بھلے چنگے بچہ کی صورت میں عورت کے پیٹ سے باہر لانا اور پھر اس کو بچپن، بلوغ، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزارنا کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت و حکمت سے ہوتے ہیں تو جو خدا پانی کی ایک بوند پر یہ تصرفات کر سکتا ہے اور اس کی صورت گری میں وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے وہ اگر اس کے بغیر مجرّد زمین کے ذرّات ہی سے تمھیں دوبارہ متشکل کر کے اٹھا کھڑا کرے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے!

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (۶۰)

یعنی یہ گمان کرنے کی بھی ذرا گنجائش نہیں ہے کہ کوئی ہماری گرفت سے بچ کر کہیں نکل سکتا ہے۔ ہم نے لوگوں کے درمیان موت کا جال بچھا رکھا ہے اور یہ جال ایسا ہے کہ اس نے سب کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہر بڑے چھوٹے اور امیر و غریب کے لیے موت لازمی ہے اور اس طرح ہم سب کو روزِ قیامت کی پیشی کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ آگے آیات ۸۲-۷۰ میں یہ مضمون وضاحت سے آ رہا ہے۔

عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۱)

یعنی جب پیدا کرنا بھی ہمارے اختیار میں ہے اور مارنا بھی ہمارے اختیار میں ہے تو اگر تمھاری جگہ تمھاری مانند ہم پیدا کرنا چاہیں گے تو اس سے کیوں عاجز رہیں گے؟ ہم عاجز نہیں رہیں گے بلکہ اس بات پر قادر ہیں کہ تمھارے مانند پیدا کر دیں اور ایک ایسے عالم میں تمھیں اٹھا کھڑا کریں جس کو تم نہیں جانتے۔

'عَلٰی' یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ 'وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ' کو مثبت معنی یعنی 'قَادِرِیْنَ' کے مفہوم میں لیا جائے۔ گویا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم عاجز نہیں بلکہ قادر ہیں۔ صلہ کی تبدیلی سے عربی زبان میں حذف و ایجاز کے جو تصرفات ہوتے ہیں اس کی مثالیں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔ یہی مضمون سورۂ معارج میں اس طرح آیا ہے: 'اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ' (المعارج ۷۰: ۴۰-۴۱) (بے شک ہم قادر ہیں اس بات پر کہ ان کی جگہ ان سے بہتر کو لائیں، ہم اس سے عاجز رہنے والے نہیں ہیں)۔

'وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ' یعنی ایک ایسے عالم میں تمھیں اٹھا کھڑا کریں جس کے نوامیس و قوانین اس عالم سے بالکل مختلف ہوں گے اور تم ان سے بالکل ناآشنا ہو۔ تمھیں حیرانی ہے کہ موت اور زندگی کے ان معروف ضوابط کے خلاف، جن سے اس دنیا میں تم آشنا ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد مجرد ایک صدائے صُور سے ساری خلقت از سرِ نو وجود میں آ جائے پھر ایک ایک فرد کا حساب ہو اور پھر وہ ابدی جنت یا ابدی دوزخ کا سزاوار قرار پائے! لیکن یہ سب کچھ ہو گا اور ایک ایسے عالم میں یہ تمھارے سامنے آئے گا جس سے تم ابھی ناآشنا ہو۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ (۶۲)

یعنی اگر تم نے اس عالم کو، جس میں ہم تم کو از سرِ نو پیدا کرنے والے ہیں، نہیں دیکھا تو یہ کوئی معقول دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ تم اس کی تکذیب پر جم جاؤ۔ آخر اس جہان میں اپنی خلقت کو تو تم دیکھتے ہو تو اس سے کیوں نہیں سبق حاصل کرتے کہ جس نئی زندگی سے تمھیں آگاہ کیا جا رہا ہے اس میں ذرا بھی استبعاد نہیں ہے۔ جو خالق اس دنیا میں تمھیں لایا ہے اس کی قدرت کے دائرہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ وہ تمھیں دوبارہ بھی اسی طرح وجود میں لا سکتا ہے اور اس کی ربوبیت و حکمت کا یہ تقاضا

بھی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ دنیا بالکل بے مقصد ہو کے رہ جاتی ہے اور خالق کائنات سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی کارِ عبث کرے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۶۳-۶۴)

وسائلِ ربوبیت سے جزا و سزا پر استدلال

انسان کی خلقت کے بعد یہ ان وسائلِ ربوبیت کی طرف توجہ دلائی جو ربِ کریم نے اس کی پرورش کے لیے مہیا فرمائے ہیں اور جن کے مہیا ہونے میں نہ انسان کی تدبیر کو کوئی دخل ہے نہ اس کے کسی استحقاق کو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بلا استحقاق جو نعمتیں بخشی ہیں ان کو قرآن نے مختلف اسلوبوں سے جگہ جگہ جزا و سزا کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ ان کا بلا کسی حق کے عطا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دن ہر نعمت کے باب میں لوگوں سے پرسش ہونی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی جگہ جگہ واضح فرمائی ہے کہ یہ نعمتیں اکثروں کے لیے استکبار کا سبب بن گئیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو انھوں نے اپنی تدبیر و قابلیت کا کرشمہ اور اپنا حق سمجھا اور اس غرور میں آخرت سے آنکھیں بند کر لیں اور اگر کسی نے ان کو آنکھیں کھولنے کی دعوت دی تو اس کو وہی جواب دیا جو اوپر مترفین کی زبان سے نقل ہوا ہے۔

فرمایا کہ زمین میں جو کچھ تم بوتے ہو، کبھی اس پر بھی غور کیا؟ کیا اپنے بوئے ہوئے بیجوں کو تم پروان چڑھاتے ہو یا ان کو پروان چڑھانے والے ہم ہیں؟ جس طرح اولاد کی پیدائش میں تمھارا حصہ صرف اتنا ہی ہے کہ تم ہل چلا کر کچھ دانے زمین میں بکھیر دیتے ہو، اس کے بعد کے سارے مراحل تم دیکھتے ہو کہ براہ راست قدرت کے اہتمام میں طے ہوتے ہیں۔ اسی نے زمین میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنی آغوش میں دانے کی پرورش کرے۔ اسی نے بیج میں یہ صلاحیت ودیعت فرمائی کہ وہ زمین کی حرارت اور رطوبت سے فیض یاب ہو کر اپنے اندر سے سوئیاں نکالے اور ان نازک سوئیوں کے اندر یہ حوصلہ ودیعت فرمایا کہ وہ دھرتی کا سینہ چیر کر باہر نکلیں اور کھلی فضا میں پروان چڑھیں۔ پھر اللہ ہی ان نازک سوئیوں کو ڈنٹھلوں کا سہارا مہیا کرتا ہے۔ ان کے اندر برگ و بار پیدا کرتا ہے، خوشے نکالتا ہے، پھول اور پھل پیدا کرتا ہے، پھر وہ پک کر کسان کی جھولی بھرتے ہیں۔ غور کرو کہ ان میں سے کون سا کام ہے جو تمھارے کیے ہوتا ہے یا جس کو تم انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہو۔

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ (۶۵)

یعنی اس معاملے میں تمھاری بے بسی تو اس بات سے واضح ہے کہ ہم چاہیں تو تمھاری ہری بھری فصل کو، عین اس وقت جب کہ تم اپنی شاندار کامیابی پر پھولے نہ سما رہے ہو، کوئی بادِ تند بھیج کر یا ژالہ باری کر کے چشم زدن میں بالکل ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں، پھر تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔

لفظ 'تَفَكَّهُونَ' یہاں بطور طنز استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسی بدحواسی طاری ہو کہ کسی کی سمجھ میں آئے کہ اس حادثہ کی کیا توجیہ کرے اور اپنے نقصان کا اندازہ دوسروں کو کس طرح کرائے۔ کوئی

کہے، کوئی کچھ۔ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (۶۶-۶۷)

یعنی کوئی تو یوں فریاد کرے کہ بھائی ہم تو تاوان میں پڑ گئے، جو کچھ لگایا وہ بھی پلّے نہ پڑا۔ دوسرے بولیں کہ اس آفت نے تو ہمیں بالکل ہی محروم کر چھوڑا، اب بیوی بچوں کی پرورش اور گزارے کی کیا شکل ہوگی! سورۂ قلم میں ایک باغ والوں کی تمثیل بیان ہوئی ہے جس سے اس صورتِ حال کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ فرمایا ہے:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝
(القلم - ۶۸ : ۱۷-۲۷)

ہم نے ان کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش میں ڈالا جب کہ انھوں نے قسم کھائی کہ کل صبح صبح وہ اپنے باغ کے پھل ضرور ہی توڑ لیں گے، اور ذرا بھی نہیں چھوڑیں گے تو ابھی وہ سوئے ہی پڑے تھے کہ تیرے رب کی جانب سے اس باغ پر ایسی گردش آئی کہ اس کا بالکل ستھراؤ ہو گیا۔ انھوں نے صبح صبح شریکوں کو پکارا کہ باغ توڑنا ہے تو سویرے سویرے کھیتوں پر پہنچو۔ تو وہ کانا پھوسی کرتے نکلے کہ کوئی مسکین آج باغ میں نہ پہنچنے پائے اور وہ بڑی امنگ اور حوصلے سے نکلے تو جب باغ کو دیکھا تو بولے کہ معلوم ہوتا ہے ہم رستہ بھول کر غلط جگہ آ گئے! نہیں بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم ہو کر رہ گئے۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (۶۸-۶۹)

سامانِ غذا کے بعد پانی کی نعمت کی طرف اشارہ

غذائی نعمتوں کے بعد یہ پانی کی نعمت کی طرف توجہ دلائی کہ بھلا کبھی اس پانی پر بھی غور کیا ہے جو پیتے ہو! کیا اس کو بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں! یعنی یہ ہماری ہی قدرت و حکمت اور ربوبیت ہے کہ ہم سمندروں کے کھاری پانی کو بھاپ بنا کر اڑاتے اور پھر اس کو صاف، شیریں اور خوش گوار بنا کر تمھارے اوپر برساتے جس کو تم بھی پیتے ہو، تمھارے مویشی بھی پیتے ہیں اور ان سے تمھاری فصلیں بھی سیراب ہوتی ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ ہے کسی میں یہ قدرت کہ بادلوں سے پانی برسا دے! یہ امر واضح رہے کہ اہلِ سائنس نے اب تک پانی برسانے کے جو تجربات کیے ہیں ان کی نوعیت بچوں کے کھیل سے

زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بادلوں کے کسی ٹکڑے پر کچھ گرم و سرد اثرات ڈال کر چند بوندیں ٹپکا لینا اور چیز ہے؛ بادلوں کو بنانا، ان کو فضا میں پھیلانا، ان کو ایک جگہ سے ہانک کر دوسری جگہ لے جانے کے لیے ساز گار ہوائیں چلانا اور جس علاقہ کو چاہنا اس کو جل تھل کر دینا ایک دوسری چیز ہے۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (۷۰)

یعنی ہم چاہیں تو اس پانی کو ایسا کھاری اور تلخ بنا دیں کہ یہ تمھارے کسی کام کا بھی نہ رہے۔ یعنی جب ہم ہی نے کھاری کو شیریں بنایا ہے تو ہمارے لیے کیا مشکل ہے کہ ہم پھر اس شیریں کو کھاری بنا دیں۔

ربوبیت کا تقاضا

'فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ' یہ اسی ربوبیت کا تقاضا بیان ہوا ہے کہ یہ چیز تم پر واجب کرتی ہے کہ تم اپنے رب کے شکر گزار بندے بنو، ورنہ اپنی ناشکری کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہو۔ دین میں شکر کا جو مقام ہے اس کی وضاحت سورۂ فاتحہ میں ہو چکی ہے۔ اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کی تحریک سے بندہ اپنے رب کی راہ میں پہلا قدم اٹھاتا ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد اسی کا اظہار وہ اپنی جدوجہد کے نتائج دیکھ لینے کے بعد بھی کرے گا۔ 'وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'!

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ (۷۱-۷۲)

پانی کے بعد آگ کی طرف اشارہ

پانی کے بعد آگ کی بھی، ضروریاتِ زندگی میں، بڑی اہمیت ہے۔ بالخصوص ان قوموں کے لیے جن کو بڑے بڑے صحرائی سفر کرنے پڑتے تھے۔ جہاں نہ تو راہ میں آبادیاں ہوتیں جہاں سے ضرورت کے وقت بآسانی آگ دستیاب ہو سکے، نہ آگ چیز ہی ایسی ہے جس کو آدمی اپنے سامان میں باندھ کے ساتھ لے سکے اور نہ اس وقت تک دیا سلائی ہی کے قسم کی کوئی چیز ایجاد ہوئی تھی جس سے یہ ضرورت پوری کی جا سکے۔ اس قسم کے ضرورت مندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی یاددہانی کے لیے بعض خاص قسم کے پتھر بھی پیدا کیے جن کو رگڑ کر آگ پیدا کی جا سکتی تھی اور اس سے عجیب تر اپنی قدرت و حکمت کی یہ شان دکھائی کہ دو ایسے درخت بھی پیدا کیے جن کی دو ٹہنیوں کو ایک دوسری سے رگڑ کر آگ بھڑکائی جا سکتی تھی۔ ان کو مرخ اور عفار کہتے تھے۔ سورۂ یٰسٓ میں بھی اس درخت کا ذکر ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ اس چیز پر بھی غور کرو کہ زندگی کی اتنی بڑی ضرورت کو مہیا کرنے والے تم ہو یا ہم ہیں!

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ (۷۳)

آگ کے ذکر کے بعض خاص پہلو

فرمایا کہ ہم نے اس کو یاددہانی اور منفعت کی چیز بنایا ہے صحرا کے مسافروں کے لیے۔ 'مقوین' صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں سفر کرنے والوں کو کہتے ہیں، جہاں آگ کا حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ضمیر مؤنث کا مرجع 'شجرۃ' بھی ہو سکتا ہے اور وہ آگ بھی جو اس سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں باعتبارِ مفہوم کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔

'تذکرۃ' کے معنی یاد دہانی کے ہیں۔ اس یاد دہانی کے ہیں تو متعدد پہلو لیکن ہم صرف دو خاص اہمیت رکھنے والے پہلوؤں کی طرف یہاں اشارہ کریں گے۔

اوّل یہ کہ ربِّ کریم کی پروردگاری کی یہ ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ ربوبیت انسان پر مسئولیت کی ذمہ داری عائد کرتی ہے جو جزا و سزا اور دوزخ یا جنت کو مستلزم ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر جو دی ہے کہ دوزخ میں آگ بھی ہوگی اور اس میں زقّوم کے درخت بھی ہوں گے، یہ ایک حقیقت ہے۔ اس کو خلافِ عقل سمجھ کر کوئی اس کا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کرے۔ جو خدا مرخ اور عفار کی ہری شاخوں کے اندر آگ بھر سکتا ہے اس کے لیے دوزخ کے اندر زقّوم پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ قریش کے بے فکرے قرآن کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ دوزخ میں آگ کی بھی خبر دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اس میں زقّوم کے درخت بھی ہوں گے۔ وہاں ان کے اس استہزاء کا جواب ایک دوسرے پہلو سے دیا ہے جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ اس سورہ کی آیات ۵۲-۵۴ میں بھی چونکہ زقّوم کا ذکر آیا ہے اس وجہ سے جب آگ پیدا کرنے والے اس درخت کا ذکر فرمایا تو اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ جو لوگ دوزخ میں آگ اور درخت کی یکجائی کو ناممکن بتاتے ہیں وہ اس درخت سے سبق حاصل کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح یہ دونوں چیزیں یکجا کر رکھی ہیں۔

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ (۷۴)

نبی صلعم کو صبر اور نماز کی تاکید

یہ بحث کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موقفِ حق پر ڈٹے رہنے اور اپنے رب کی تسبیح کرتے رہنے کی تاکید فرمائی۔ اس تاکید کا یہ محل ہے کہ جہاں تک دلائل کا تعلق ہے وہ تو تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ ہٹ دھرم لوگ ماننے والے نہیں ہیں سو ان کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے رب کی تسبیح میں لگے رہو۔ تسبیح یہاں وسیع معنی یعنی پاکی بیان کرنے کے مفہوم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خواہشوں کے اندھے پرستار تو یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا محض ان کے عیش کے لیے بنائی ہے۔ ان کو علم نہیں ہے کہ ربِّ عظیم اس بات سے پاک اور برتر ہے کہ وہ کوئی عبث اور محض کھیل تماشے کی قسم کا کام کرے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں اپنے شکر گزار بندوں کو ان کی ناشکر گزاری کا صلہ دے اور جو ناشکرے ہیں وہ کیفرِ کردار کو پہنچیں۔

'بِاسۡمِ رَبِّكَ' میں 'ب' کا صلہ اس امر کا قرینہ ہے کہ 'سَبِّحۡ' یہاں استعانت کے مضمون پر بھی متضمن ہے جس سے معنی میں یہ اضافہ ہو جائے گا کہ اپنے رب کی تسبیح کرو اور اسی سے اس صورتِ حال کے مقابلہ کے لیے مدد مانگو۔

لفظ 'اسم' اس حقیقت کا سراغ دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کے تعلق و توسل کا ذریعہ صرف اس کے اسمائے حسنیٰ ہی ہیں۔ انہی کی معرفت سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو تمام صحیح علم و عمل کا سرچشمہ ہے۔

۴- آگے آیات ۷۵-۹۶ کا مضمون

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں۔ قریش کے لیڈروں کو خطاب کر کے متنبہ فرمایا ہے کہ قرآن جس شدنی کی خبر دے رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ اس سے فرار اختیار کرنے اور اس کی تکذیب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ کاہنوں کی خرافات کی قسم کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محفوظ خزانۂ علم سے اترا ہوا باعزت کلام ہے جو نہایت پاکیزہ ذرائع سے اس کے پاکیزہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ یہ شیاطین کی چھوت اور مداخلت سے بالکل محفوظ و مامون ہے۔ یہ تمھارے لیے ابدی ہدایت اور دائمی رزق ہے، اس کی ناقدری اور تکذیب کر کے اپنی شامت کو دعوت نہ دو۔ یاد رکھو کہ کوئی خدا کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتا اور تمھیں جس 'خفض و رفع' آگاہ کیا جا رہا ہے وہ اپنے تمام لوازم و نتائج کے ساتھ سامنے آنے والا ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷۵-۹۶

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ

أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

ع ۳ ۲۲ ۱۶

ترجمۂ آیات ۷۵-۹۶

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کے ٹھکانوں کی! اور بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو! بے شک یہ ایک باعزّت قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں۔ اس کو صرف پاکیزہ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ یہ عالم کے خداوند کا نازل کردہ ہے تو کیا تم لوگ اس کلام سے اغماض برتتے ہو! اور جو تمھارے لیے رزق ہے، اس کی تکذیب کر رہے ہو! ۷۵-۸۲

اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم کسی کے محکوم نہیں تو کیوں نہیں اس وقت جب کہ جان حلق میں پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس جان کنی میں مبتلا سے تمھاری نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ پاتے۔ پس کیوں نہیں، اگر تم غیر محکوم ہو، اس جان کو لوٹا لیتے اگر تم سچے ہو؟ ۸۳-۸۷

پس اگر وہ ہوا مقربین میں سے تو اس کے لیے راحت اور سرور اور نعمت کا باغ ہے۔ اور اگر وہ اصحابِ یمین میں سے ہوا تو تیرے لیے سلامتی ہے، اے صاحبِ یمین! اور اگر جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہوا تو اس کے لیے گرم پانی کی ضیافت اور جہنم کا داخلہ ہے۔ ۸۸-۹۴

بے شک یہ ساری باتیں سچی اور یقینی ہیں تو اپنے ربّ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ۹۵-۹۶

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (۷۵)

'لا' فعل سے الگ ہے

یہاں 'لا' فعل 'اُقْسِمُ' سے متصل نہیں ہے بلکہ اس سے بالکل الگ ہے۔ اثبات سے پہلے یہ نفی مخاطب کے زعمِ باطل کی تردید کے لیے آتی ہے۔ اس طرح نفی کا لانا عربی زبان اور قرآن میں معروف ہے۔ سورۂ نساء میں فرمایا ہے: 'فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ' (النسآء-۴: ۶۵) (پس نہیں، تیرے رب کی قسم، وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات میں تجھی کو حکم نہ بنائیں) یعنی اگر ان منافقین کا گمان ہے کہ محض کلمہ پڑھ لینے سے یہ مسلمان بن گئے ہیں تو یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اس کے بعد قسم کھا کر فرمایا کہ یہ اس وقت تک سچے مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنی تمام نزاعات میں تجھی کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) حکم نہ بنائیں۔ اسی طرح یہاں قسم سے پہلے 'لا' کے ذریعہ مخاطبوں کے اس زعم کی تردید فرمادی کہ قرآن العیاذ باللہ کاہنوں کی مزخرفات کی قسم کا کوئی شیطانی القاء ہے۔ اس کے بعد قسم کھا کر قرآن کی عظمت و تقدیس اور اس کے وحیِ الٰہی ہونے کا ذکر فرمایا۔ یہ اسلوب کلام ایک فطری اسلوبِ کلام ہے اس وجہ سے ہر زبان میں موجود ہے۔ ہماری زبان میں بھی یہ اسلوب معروف ہے۔ جب آپ کہتے ہیں: 'نہیں خدا کی قسم، اصل حقیقت یوں ہے' تو یہی اسلوب استعمال کرتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کے اثبات سے پہلے مخاطب یا معترض کے خیال یا اعتراض کی تردید کردیں۔ اس اسلوبِ کلام میں بلاغت یہ ہے کہ گویا معترض کا اعتراض اتنا لغو ہے کہ متکلم ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اتنا توقف بھی گوارا نہیں ہے کہ صحیح پہلو کی وضاحت کرنے کے بعد اس کی تردید کرے۔

اکثر لوگوں نے اس 'لا' کو زائد مانا ہے لیکن کسی فصیح کلام میں اوّل تو کوئی حرف زائد ہوتا نہیں اور بالفرض ہوتا بھی ہو تو حرف 'لا' بہرحال ان حروف میں سے ہے جس کو کہیں بھی زائد ماننے میں بڑے خطرات مضمر ہیں۔ کسی ضابطہ کے بغیر اگر اس کو زائد ماننے کی راہ کھول دی گئی تو اس سے دین کے اندر بہت سی منہیات کے جواز کی راہ کھل سکتی ہے۔ لیکن یہاں اس مسئلہ پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اگلی سورہ —— الحدید —— میں آیت ۲۹ 'لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ...... الاٰية' کے تحت ہم اس پر بحث کریں گے۔ اس 'لا' کو بھی مفسرین نے زائد قرار دیا ہے لیکن ان شاء اللہ ہم واضح کریں گے کہ یہ عربیت کے اسلوب کے بالکل مطابق ہے۔

وحیِ الٰہی کی حفاظت کے لیے غیر معمولی انتظام

'مواقع' جمع ہے 'موقع' کی جس کے معنی کسی چیز کے واقع ہونے یا گرنے کی جگہ کے ہیں۔ یہاں یہ ان ٹھکانوں یا کمین گاہوں کے لیے آیا ہے جن پر ان شیاطین کے تعاقب کے لیے شہابِ ثاقب پھینکے

جاتے ہیں جو ملأ اعلیٰ کے بھید معلوم کرنے کے لیے ان میں چھپ کر کان لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین جن نے کچھ خاص کمین گاہیں ایسی منتخب کر رکھی تھیں جن میں وہ ملأ اعلیٰ کی باتوں کی سُن گُن لینے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں وحیِ الٰہی کو شیاطین کی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ اہتمام فرمایا کہ جو شیاطین ان کمین گاہوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ان پر شہابِ ثاقب کے راکٹ پھینکے جاتے اس حقیقت کا اعتراف سورۂ جن میں خود جنوں کی زبان سے یوں نقل ہوا ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًاۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًاۙ (الجن - ۷۲: ۸-۹)	اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو یہ پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ ہم اس کے کچھ ٹھکانوں میں غیب کی باتیں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے لیکن اب جو کان لگانے کی کوشش کرے گا تو وہ ایک شہاب ثاقب کو اپنی گھات میں پائے گا۔

میرے نزدیک سورۂ جن کی اس آیت میں جن کمین گاہوں کو 'مقاعد' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے انہی کو آیتِ زیرِبحث میں 'مواقع' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ البتہ 'مقاعد' میں ان کے کمین گاہ ہونے کا مفہوم پیشِ نظر ہے اور 'مواقع' میں شہابوں کے ہدف ہونے کا۔ لفظ 'نجوم' یہاں شہابوں کے مفہوم میں ہے۔ سورۂ ملک میں فرمایا ہے: 'وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ' (الملک - ۶۷: ۵) (اور ہم نے آسمانِ زیریں کو چراغوں سے سجایا اور ان کو شیطانوں کے سنگسار کرنے کے لیے بھی بنایا)۔ ان شہابوں پر سورۂ نجم کی آیات ۱-۵ اور سورۂ رحمٰن کی آیت ۳۵ کے تحت بھی بحث گزر چکی ہے۔ ان دونوں مقامات پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (۷۶)

ایک برمحل جملہ معترضہ

یہ قسم اور مُقسَم علیہ کے درمیان ایک برمحل جملہ معترضہ ہے۔ فرمایا کہ جس طرح تم محض ہٹ دھرمی سے قرآن کو القائے شیطانی قرار دیتے ہو اسی طرح اس قسم کے باب میں بھی کہو گے کہ بھلا شہابوں کے گرنے کو شیاطین کے رجم سے کیا تعلق! لیکن تم جان سکو تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو گی کہ یہ قسم اپنے اندر ایک عظیم شہادت اس بات کی رکھتی ہے کہ جنات و شیاطین کو ملأ اعلیٰ تک کوئی رسائی حاصل نہیں ہے، جیسا کہ کاہنوں کا دعویٰ ہے۔ اگر کوئی وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو قدرت نے اس کی سرکوبی کے لیے نہایت عظیم پیمانے پر انتظام کر رکھا ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی خدا کے شہابوں کی زد سے بچ کے نکل سکے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس کو جان سکو یا نہ جان سکو اور مانو یا نہ مانو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم میں

تمھاری آگاہی کے لیے اس کائنات کا ایک نہایت اہم راز بیان فرمایا ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۷۷ - ۸۰)

قرآن شیطانی چھوت سے بالکل پاک ہے

قسم کے بعد یہ مُقسم علیہ ہے اور یہ حقیقت اپنی جگہ پر اچھی طرح واضح کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید میں قسمیں شہادت کے طور پر کھائی گئی ہیں۔ گویا شیاطین پر سنگ باری اور آتش باری کے مذکورہ بالا انتظام کا حوالہ دے کر مخاطبوں کو متنبّہ فرمایا کہ اس قرآن کو کاہنوں کے قسم کا کوئی شیطانی القاء نہ گمان کرو بلکہ یہ ایک نہایت باعزت اور برتر کلام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک محفوظ کتاب میں ہے جس تک اس کے پاک فرشتوں کے سوا کسی کی بھی رسائی نہیں یعنی اس کو صرف ملائکہ مقربین ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں، جنات اور شیاطین وہاں نہیں پھٹک سکتے۔

'تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ'۔ پس یہ گمان نہ کرو کہ جس طرح کی شیطانی وحی کاہنوں پر آتی ہے اسی طرح کی وحی العیاذ باللہ یہ قرآن بھی ہے۔ یہ القائے شیطانی نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اس کا سرچشمہ لوحِ محفوظ ہے جس تک ملائکہ مقرّبین کے سوا کسی کی بھی رسائی نہیں۔ اس کے لانے والے حضرت جبریل امینؑ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرّب فرشتے ہیں اور شیاطین ان پر کسی پہلو سے بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اس کا نزول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ضلالت و غوایت کے ہر شائبہ سے بالکل پاک رکھا ہے۔

فقہاء کے بعض استنباط

'لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ' کے ٹکڑے سے ہمارے فقہا نے طہارت کے بعض آداب بھی استنباط کیے ہیں جن کا اہتمام ان کے نزدیک قرآن مجید کو چھونے یا تلاوت کرتے وقت ضروری ہے لیکن یہ آیت جس سیاق و سباق میں ہے اس سے واضح ہے کہ ان مسائل سے ان کو براہ راست تعلق نہیں ہے اس وجہ سے فقہاء کے استنباطات کو ان کے اپنے دلائل کی روشنی میں جانچ کر رد یا قبول کیجیے۔ یہ موضوع ہمارے دائرۂ بحث سے الگ ہے اس وجہ سے ہم اس سے تعرض نہیں کریں گے بس اتنا عرض کریں گے کہ جن فقہاء نے قرآن کی زبانی تلاوت یا اس کو ہاتھ لگانے تک کے لیے بھی طہارت کی وہ شرطیں عائد کی ہیں جو نماز کے لیے ضروری ہیں ان کے اقوال غلو پر مبنی ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس وجہ سے وہ ہر پہلو سے لائق تکریم ہے لیکن وہ ہمارے لیے ہر قدم پر حق و باطل اور خیر و شر کے جاننے کا ذریعہ، اخذ و استنباط کا حوالہ اور استدلال کا مرکز بھی ہے۔ اگر اس کو ہاتھ لگانے یا اس کی کسی سورہ یا آیت کی تلاوت کرنے یا حوالہ دینے کے لیے بھی آدمی کا طاہر و مطہّر اور باوضو ہونا ضروری قرار پا جائے تو یہ ایک ایسی تکلیف مالایطاق ہوگی جو دینِ فطرت کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس طرح کی غیر فطری پابندیاں عائد کرنے سے قرآن کی تعظیم کا وہی تصور پیدا ہو گا جس کی تعبیر سیّدنا مسیحؑ نے یوں فرمائی ہے کہ

"تمھیں چراغ دیا گیا کہ اس کو گھر میں بلند جگہ رکھو کہ سارے گھر میں روشنی پھیلے لیکن تم نے اس کو پیمانے کے نیچے ڈھانپ کر رکھا ہے۔"

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (۸۱)

قرآن سے بے اعتنائی برتنے والوں کو تنبیہ

'اِدْهَان' کے معنی اغماض، سہل انگاری اور بے نیازی و بے اعتنائی برتنے کے ہیں۔ قرآن کی عظمت بیان کرنے کے بعد باندازِ تعجب سوال کیا ہے کہ کیا یہ قرآن، جس کو تمھارے رب نے اس اہتمامِ خاص کے ساتھ تمھاری ہدایت کے لیے اتارا ہے اس بے اعتنائی کا سزاوار ہے جو تم اس سے برت رہے ہو!

مطلب یہ ہے کہ تم اتنے بدذوق و بے بصیرت تو نہیں ہو چکے ہو کہ گہر اور پشیز میں کوئی تمیز نہ رہ گئی ہو۔ تمیز تو ہے لیکن تم قرآن کو قبول کرنا نہیں چاہتے اس وجہ سے اس کو کاہنوں کی طرح کا کلام قرار دے کر نظر انداز کر رہے ہو تو کرو لیکن یاد رکھو کہ تمھارے نظر انداز کرنے سے یہ حقیقت نابود نہیں ہو جائے گی۔ حقیقت بہرحال حقیقت ہے اور اس سے تمھیں سابقہ پیش آ کے رہے گا۔ یہ تمھارے ہی حق میں بہتر ہوتا اگر تم اس کی قدر کرتے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (۸۲)

'رزق' سے مراد قرآن ہے

یہاں 'رزق' سے مراد ہمارے نزدیک وحیِ الٰہی یا بالفاظ دیگر قرآن ہے جس پر بحث چلی آ رہی ہے۔ وحیِ الٰہی کو قدیم صحیفوں میں بھی جا بجا رزق سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور قرآن میں بھی۔ اس کے حوالے اس کے محل میں ہم دے چکے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔" قرآن میں بھی اس کو زندگی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ 'اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ' (الانفال - ۸ : ۲۴) (اور لبیک کہو اللہ و رسول کی دعوت پر جب کہ رسول تمھیں بلا رہا ہے اس چیز کی طرف جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے)۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے تو تمھارے لیے مائدۂ آسمانی اتارا کہ تم اس سے حیاتِ جاوداں حاصل کرو لیکن تمھاری محرومی ہے کہ تم اس کی ناقدری اور تحقیر کر رہے ہو۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۙ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۙ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۙ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۸۳-۸۷)

خدا کے قبضۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں جا سکتا

یعنی اس ڈھٹائی سے تم قرآن کا جو مذاق اڑا رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ جس جزاء و سزا سے یہ تمھیں آگاہ کر رہا ہے وہ محض ایک ڈراوا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ تم کسی کے محکوم ہو اور نہ تمھیں کسی کے آگے اپنے کسی قول و فعل سے متعلق کوئی جواب دہی کرنی ہے تو اپنے آپ کو یا اپنے کسی محبوب سے محبوب کو موت کے پنجہ سے کیوں نہیں بچا لیتے؟ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو اس وقت تو

تم اپنے آپ کو بالکل ہی بے بس پاتے ہو اور جان فرشتۂ اجل کے حوالہ کرنی پڑتی ہے تو اپنی اس بے بسی کا مشاہدہ کرتے ہوئے تم نے اپنے آپ کو مطلق العنان اور شتر بے مہار کیوں سمجھ رکھا ہے؟ اوپر آیت ۶۰ میں فرمایا ہے: 'نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ' (ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر رکھی ہے اور ہم کسی کو پکڑنے سے عاجز رہنے والے نہیں ہیں) وہی حقیقت یہاں دوسرے الفاظ میں ممثّل کر کے سمجھائی ہے کہ کوئی اپنے آپ کو مطلق العنان نہ سمجھے۔ کوئی خدا کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ سب موت کے اسیر ہیں اور یہ موت اسی لیے مقدّر کی گئی ہے کہ وہ ہر متنفّس کو، ایک یوم موعود میں، خدا کے آگے پیش ہونے کے لیے جمع کرتی رہے۔

موت کے اسیر سب ہیں

'فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ۔ بَلَغَتْ' کا فاعل 'نفس' (جان) یہاں بربنائے قرینہ محذوف ہے۔ یعنی انسان کی جان جب نزع کے وقت حلق میں آ پھنستی ہے۔ سورۂ قیامہ میں بھی اسی طرح 'بَلَغَتْ' کا فاعل محذوف ہے: 'كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ' (القیٰمۃ ۔ ۷۵: ۲۶) (پس جب کہ جان پسلی میں آ پھنسے گی) بلاغت کے پہلو سے اس حذف کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ واقعہ کا ہول، ابہام کے سبب سے، زیادہ مؤثر ہو کر سامنے آتا ہے۔

'لَوْلَا' کا جواب آگے نہایت مؤثّر انداز میں آ رہا ہے۔

'وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ' یعنی یہ نہیں ہوتا کہ یہ حادثہ دوسروں کی بے خبری میں پیش آ جاتا ہو بلکہ مبتلائے نزع کے اعزّہ و اقربا، اس کے سارے محبّ و محبوب، اس کے معالج اور ڈاکٹر اس کے پاس موجود ہوتے ہیں لیکن موت کا فرشتہ ان سب کے سامنے سے اس کی جان نکال کے لے کر چلا جاتا ہے اور کسی کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ پاس موجود ہوتے تو فرشتۂ اجل کا ہاتھ پکڑ لیتے بلکہ ان کی ساری جاں نثاریاں اور تمام تدبیریں بالکل بے سود ہو کے رہ جاتی ہیں۔

'وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ'۔ 'إِلَيْهِ' میں ضمیر کا مرجع مبتلائے نزع شخص ہے۔ یعنی تم تو اس کے پاس ہوتے ہی ہو، تم سے زیادہ قریب اس کے ہم ہوتے ہیں لیکن تم ہم کو نہیں دیکھتے۔ تم کو اپنے ڈاکٹر کا ہاتھ نظر آتا ہے لیکن ہمارے فرشتہ کا ہاتھ نظر نہیں آتا کہ وہ کس چابکدستی سے اس کی جان نکال لیتا ہے۔

'فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ۔ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ'۔ یہ اس 'لَوْلَا' کا جواب ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ چونکہ شرط اور اس کے جواب میں دوری ہو گئی تھی اس وجہ سے اس کو پھر دہرا دیا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم کسی ایسے کے محکوم و مقہور نہیں ہو جو تم کو پکڑ سکے اور سزا دے سکے تو اس جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے جس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہمارا فرشتہ نکال لیتا ہے۔ 'مَدِينِ' کے معنی محکوم اور مقہور (UNDER CONTROL) کے ہیں۔

فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ (۸۸-۸۹)

موت کے بعد کے مراحل

یعنی اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ جو مر گیا اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام ہوا بلکہ اصل مرحلہ اس کے بعد سامنے آئے گا جو اوپر 'وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (۷)' کے الفاظ سے بیان ہوا۔ یعنی اس کا معاملہ تین شکلوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ مقربین میں سے ہو گا، یا اصحاب یمین میں سے، یا اصحاب شمال میں سے۔ فرمایا کہ اگر وہ مقربین میں سے ہوا تو اس کے لیے ابدی راحت و سرور اور نعمت کا باغ ہے۔ 'رَوح' کے معنی راحت کے ہیں اور 'رَیْحَان' یہاں سرور کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں اس لفظ پر بحث گزر چکی ہے۔ 'رَیْحَان' کے اصل معنی تو پھول کے ہیں لیکن یہ اپنے لوازم یعنی خوشبو اور سرور کے لیے بھی آتا ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ (۹۰-۹۱)

اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہوا تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے داد ملے گی کہ اے صاحب یمین، تیرے لیے سلامتی اور مبارکی ہے۔

'فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ' میں 'مِنْ'، سلام کے صلہ کے طور پر نہیں آیا ہے، جیسا کہ عام طور پر مفسرین نے سمجھا ہے۔ بلکہ ضمیر خطاب کے بیان کے لیے آیا ہے اس وجہ سے میرے نزدیک اس ٹکڑے کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہو گا کہ 'تیرے لیے اصحاب یمین کی جانب سے سلام پہنچے' بلکہ عربیت کے صحیح قاعدے سے اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ اے صاحب یمین تیرے لیے سلامتی ہو۔ اسی سلام و سلامتی کے اندر وہ سب کچھ ہے جو اوپر اصحاب یمین کے مرتبہ سے متعلق بیان ہوا ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ۙ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ۙ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ (۹۲-۹۴)

یہ اصحاب شمال کا انجام بیان ہو رہا ہے لیکن یہاں ان کا ذکر اصحاب شمال کے بجائے ان کے اصل جرم کے حوالے سے 'اَلْمُکَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ' کے الفاظ سے ہوا ہے تاکہ ان کے انجام کے ساتھ ساتھ ان کے جرم کی نوعیت بھی واضح ہو جائے اور قریش کے مکذبین ضالین پر یہ پوری طرح منطبق بھی ہو جائے۔ اوپر آیت ۵۱-۵۴ میں قریش کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: 'ثُمَّ اِنَّکُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ ۙ لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۚ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ' وہی بات یہاں اختصار کے ساتھ فرما دی ہے۔ 'ضَآلُّوْنَ' اور 'مُکَذِّبُوْنَ' میں جو فرق ہے اس کی وضاحت ہم اوپر کر چکے ہیں۔

'فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ۙ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان لوگوں کی اولین ضیافت تو کھولتے پانی سے ہو گی۔ اس کے بعد ان کو جہنم کے اصل عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۚ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (٩٥-٩٦)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تلقینِ صبر و استقامت اور پیامِ تسلی ہے کہ جو باتیں اوپر بیان ہوئیں سب یقینی حقائق ہیں۔ ان میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر تمھاری قوم کے لوگ نہیں مان رہے ہیں تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑو اور اپنے ربِ عظیم کی تسبیح کرو۔ اس تسبیح کے موقع و محل اور اس کے مفہوم پر آیت ۷۴، کے تحت ہم بحث کر چکے ہیں۔

ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ

رحمان آباد
۲۴۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء
۱۱۔ ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ